بھیڑیے سوئے نہیں

جاوید انور



بھیڑیے سوئے نہیں

(شاعری)

جاوید انور

بھیڑیے سوئے نہیں

(شاعری)

قوسین

15- سرکلر روڈ، اردو بازار، لاہور

E-mail: qausain60@hotmail.com

فون:7355353

باراوّل : ۲۰۰۹ء

تعداد : ۵۰۰

ناشر : سلیم وریاض

مطبع : سویرا آرٹ پریس، لاہور

قیمت : -/۱۵۰ روپے

لے جانے دو
ان لفظوں کو
خود کو خود تک لے جانے دو

اوکتاویو پاز/ جاوید انور

ترتیب

حرفِ اوّل

گفتگو اس پپیہے کی اپنے سے ہے
اور دل سے گزرتا ہوا تیر پھولوں کی رُت
پھول خوابوں کے تھے!

گو پپیہے کا سکھ
خود کلامی سہی
اَن کہی کی کہانی میں بلبل بھی، کوئل بھی،
چڑیا بھی ہے

شبنمی فرش بھی
دوزخی عرش بھی
ہرسخی کی سخاوت کا شہرہ یہاں
وقت قاتل بھی تھا اور مسیحا بھی تھا
سچ کے چہرے بہت!

دوستو......!
گیت ہو، نظم ہو،
رنگ ہو، رقص ہو
بھید کس پر کھلا
گفتگو جس پپیہے کی اپنے سے تھی
وہ کہیں بھی نہیں
تم ہمیشہ یہاں!!

جواب ہی سوال ہے

مگر یہ کیا ہے اور کیوں ہے جامنوں کی چھاؤں ناشپاتیوں پہ ڈھلتی دھوپ میں بدل گئی ہے۔سورجوں کے بادلوں کے معنی وہ نہیں رہے، جواب کی تلاش میں سوال اور ہو گئے ہیں، سوچتے ہیں اس طرف بھی شہر ہیں، دھواں یہاں بھی کم نہیں ہے، سگرٹوں پہ کینسروں کی فالجوں کی...... چھاپہ خانے شاد باد، منزلِ مراد کی لگن میں آپ سو گئے ہیں، راستوں سے کھو گئے ہیں ہم تو کیا ہوا کہ راستے بھی جامنوں کی چھاؤں، ناشپاتیوں پہ ڈھلتی دھوپ کا سراب ہیں، کتاب بھی، حساب بھی کتابیوں حسابیوں کے واسطے ہے زندگی کی مال روڈ پر لگے درخت کٹ چکے، کبوتروں کو بلّیوں نے کھا لیا، جواب کی تلاش میں، سوال ہی سوال ہیں کہ گیدڑوں کے روپ میں ادھر ادھر چھپے ہوئے ہیں، رور ہے ہیں خامشی کے باجروں میں بولتے نہیں......!

سمندر مرے بادبانوں میں سویا ہوا ہے

میں یاد کرتا ہوں اس یاد کو جو کہیں بھی نہیں ہے، کسی کی نہیں ہے، فقط یاد ہے میں جسے یاد کرتا ہوں، اندر اداسی ہے، باہر اداسی ہے اور سیب کے پیڑ پر کونپلیں پھوٹتی ہیں تو خوشبو کی رتھ میں نہ تم ہو، نہ وہ گیت ہیں جن کی لَے میں بہاروں کے دکھ کی خوشی ہے، خوشی کی اداسی ہے، برفوں میں سوراخ کرتی ہوئی کونپلیں ہیں کہ سورج نہیں ہے یہ سورج کا سایہ ہے سورج تو مشرق کی مٹّی جلانے پہ مامور ہے، یاد ہے اور کاغذ ہے، خط لکھ رہا ہوں جسے پوسٹ کرنے کی نوبت نہیں آئے گی، مجھ کو معلوم ہے، تم کو معلوم ہے تم نہیں جان پاؤ گے کیا بات تھی جس کے رستے کی دیوار قربت تھی اور جس پہ دوری کی مٹّی پڑی ہے، میں اندر ہی اندر خدا ہو چکا ہوں، مرے آسمانوں پہ میں ہوں نہ تم ہو، میں اپنی طلب سے جدا ہو چکا ہوں مگر ساتواں دن کلہاڑی کے، ہل کے، گراری، ملوں،

ہسپتالوں، گھروں، بیویوں، ریستورانوں کے، اخبار، ٹی وی، خبر، ناخبر، جنگ، جمہوریت، بادشاہی، مقابر، مساجد، کسینو کے، شاہی محلوں کے پیچھے کہیں بھی نہیں ہے، طلب ہی نہیں ہے، مجھے نوچتی ہے طلب کی، اداسی کی، خواہش کی خوشیوں کی، خوابوں کی، یادوں کی جو یاد مجھ سے رہا ہو چکی ہے، ہوا ہو چکی ہے وہ تتلی جو تم تھے، تو کیا ہے یہ سب کچھ، یہ سگرٹ، یہ وہسکی، یہ بادل کا ٹکڑا جو تم تک نہ پہنچا، سمندر مرے بادبانوں میں سویا رہے گا..........!!!

استغراق

بھیڑیے ہیں، بھیڑیے ہی بھیڑیے ہیں، میرے اندر بھیڑیے ہیں، میرے باہر بھیڑیے ہیں، بھیڑیوں سے دشمنی ہے، بھیڑیوں سے دوستی ہے، روشنی ہے، بھیڑیے کی آنکھ میں سورج ہے، صحرا تشنگی کا بھیڑیے کے ہونٹ، تنہائی، رگوں میں بھاپ ہے، خواہش کسی کے ساتھ کی، جنگل ہے، جنگل خواہشوں کا، راستے ہیں، راستوں میں راستے ہیں، پیڑ ہیں، سپنوں میں سپنے، نیند کی وادی میں چھپتے پھر رہے ہیں بھیڑیوں سے، بھیڑیے ہیں، شہر میں، شہروں کے قبرستان میں، کتبوں کے پیچھے، خامشی کی اوٹ میں، نعرے ہیں وحشی خوف کے، اوپر خدا ہے، دیکھتا ہے اپنی تنہائی، اداسی، درد، خواہش، خوف غصہ جیم جنّت یا جہنم بھیڑیے ہی بھیڑیے ہیں، میں نہیں ہوں......!!

رگوں کے جال میں پھنسا ہوا جلال

مکالمہ کرو...... وہ مجھ سے کہہ رہی تھی میں مکالمہ کروں نکل کے اپنے آپ سے کہ اختلاط اختلاجِ قلب کا علاج ہے مگر یہاں رواج ہے جنوں......فشارِ خوں رگوں کی چیر پھاڑ میں لگا رہے اسے پتا نہیں، پتا نہیں کہ اس کی اپنی آنکھ میں ہزار ہا یگوں کی خشک سالیاں ہیں بھاپ ہے جو اس کے ریشمی رومال کو سمندروں کی بھیک دے رہی ہے اور مجھ سے کہہ رہی تھی وہ کہ دوستوں میں بانٹ دوں وہ بھید جو کہ بھید بھی نہیں ہیں جن کی پہرے داری کر رہا ہوں میں ہزار ہا یگوں سے یہ جنم جنم کے بھیڑیے جوان رگوں کے جال میں پھنسے ہوئے جلال کو عروج دے رہے ہیں بھیڑیوں کو یاریوں میں بانٹ دوں نکل کے اپنے آپ سے وہ کہہ رہی تھی سوچتی تھی جھوٹ ہے جو سوچ ہے کہ ہم کو جانتے ہیں ہم ہمیں پتا ہے ہم کے درد میں چھپی ہنسی کے طنز کے جواز کا میں ہنس پڑا کہ آنسوؤں کو میری آرزو سے اختلاف ہے تو چشمۂ عرقِ انفعال سے وصال و بوسہ بازیوں کا بوجھ کیوں اٹھاؤں میں............!!!

پرندے کے زخموں پہ اپنی اَنا کا نمک ہے

اَنا تھی، چٹانوں سے سخت اور پہاڑوں سے اونچی، درختوں کے پتّوں کی حرکت کا رخ اور تھا اور اَنا تھی، پرندوں کے زخموں پہ اپنی اَنا کا نمک تھا......! ہوا تھی، کبھی برف جیسی کبھی دوزخوں کے سندیسے لیے، آشیانوں میں دھڑ دھڑ دھڑکتا ہوا دل تھا روتا نہیں تھا مگر آنسوؤں کی زباں جانتا تھا، نہ بہرا نہ گونگا، مگر حرف کو حرف سے کاٹنے کی طلب باغ میں رہ گئی تھی، سرابوں میں کوئل کے نغمے......! خدا تھا، فرشتوں کے ہاتھوں میں طنبور تھا اور میں نے کہا تم نہیں آسکو گے تو میں بھی خدا ہوں، ستارے بہت دور تھے اور پھولوں کی چاہت تھی تتلی، دراڑیں چٹانوں میں اور کینوس پر لہو تھا جو تصویر ہے اس کی قیمت چڑھی بھی تو کیا ہے مصوّر تھا چکوال میں ہو کہ پیرس میں اس کی ہوس کے جزیرے میں سونا بھی مٹّی......! صدا تھی، صنوبر کے جنگل میں دریا کنارے کھڑے منتظر کاسنی حسن کو دیکھنا بھی گنہ ہے میں چلتا رہا...........!!!

کاسنی کی آبشار

......کہ میں مرا مریض ہوں یہ جاننے میں آدھا دن گزر گیا کہ وہ نمازِ عصر کے ادھر جو کاسنی کی آبشار کا گلاب ہے غلیل کر نہیں رہا مری رگوں کو میں مرا تناؤ ہوں مجھے پتا نہیں چلا وہ کہہ رہا تھا اور دن گزر گیا عجیب تھا طبیب تھا میں آپ کا میں سُن رہا تھا دیکھتا تھا جانتا تھا سوچتا تھا جانتا نہیں یہ بے وقوف رات بھی گزارنے کی چیز ہے میں جاگتا رہا......!!

یہ اینز ائموں ہارمونوں کی دنیا کا محکوم حاکم

ٹھکا ٹھک ٹھکا ٹھک ہتھوڑا نہیں ہے یہ گھوڑا نہیں ہے یہ دل ہے نمک کے سمندر پہ ٹھیری ہوئی گا ہے بہتی ہوئی ریتلی بے اَزل بے اَبد کا ئناتوں کی جو پسلیوں کو فلک جانتی ہیں لگاموں میں جکڑا ہوا پانیوں کے ہواؤں کے مٹّی کے دوزخ سے رِستے ہوئے آنسوؤں کا ذخیرہ کیے ایک ننھے سے فرعون کے جوادھر کھوپڑی میں پڑا رات دن دم بہ دم گنجلوں کی رہائی کے احکام جاری کیے جا رہا ہے کیے جا رہا ہے اشاروں پہ صبح و مسا رقص کرتا ہوا رات دن پل بہ پل ہولے ہولے ابھی اور ابھی بے اَزل بے اَبد ریتلی کا ئناتوں میں تخلیق ہوتی ہوئی کہکشاؤں میں چلتی ہوئی آندھیوں کے ردھم پر مگر آپ کیوں خوش نہیں ناخوشی کے زمانوں میں ہنستے رہے کس لیے کس لیے آپ کے کان میں بے زماں لامکانی کی سرگوشیاں دہشتیں وحشتیں بے دلی مردنی روشنی خوشبوئیں پھول تتلی ہواؤں

خداؤں کا جابر تکبّر کبھی دیوتاؤں کی عیّار عیّاشیاں رات کے ساحلوں پہ جہاں خوردبینوں کے نیچے نہایت ہی باریک تاریک ریشوں کے گمبھیر جنگل جزیروں میں برقی حراروں کے بھوتوں کی یلغار میں خود کو میں کہہ رہا ہے ٹھکا ٹھک ٹھکا ٹھک ہتھوڑا نہیں ہے، یہ گھوڑا نہیں ہے، یہ دل ہے............!!!

شام ہوئی بن شام محمد

بس کر پاگل بس کر آگے میں بھی نہیں ہوں تو بھی نہیں ہے تنہائی بے نام محبت خط ہیں
جن پر پتا نہیں لکھ سکتے رستہ جنگل صحرا نقطے اور تحریر پڑھی جائے تو اہراموں سے نکل نکل
کر...... لیکن باہر جگراتوں کے شور میں چور ہوں پہرے دار ہوں سر ہوں دل ہوں
آنکھیں ہوں یا رنگ برنگی چڑیاں دہشت چھپنے کب دیتی ہے پاگل دھبّے دھلتے دھلتے
کرتے چیتھڑے بن جاتے ہیں بس کر لذت اور گناہ کا رشتہ ٹوٹ گیا تو بستر سلوٹ
سلوٹ نیندیں انگاروں کا رزق دوائیاں کام نہیں آئیں گی

ظالم

بس کر......!!

چراغِ چشمِ گریہ سیہ

کہ عشق ہے وہ پیاس جس کی مُشک نے سمندروں کو بھاپ کر دیا، جنوں کو ریگ زار نے پناہ دی اور آپ کو یہ زعم بھیڑیوں کے بھید جانتے ہیں آپ، آپ کی نگاہ کی پہنچ میں ہے جہان دل، مکان دل کہ جس پہ لوح اسم خود نمائے من، مکان دل کہ جس کے بام و در پہ عنکبوت عرصۂ قدیم کی کشیدہ کاریاں ہیں وحشتوں کے گیت ہیں اور آپ کہہ رہے ہیں مجھ کو چاہے جانے کی طلب، نہیں، نہیں یہ سنگ ہے کہ جس کو آرزوئے بے حیا نے آئینہ بنا دیا، جو آپ دیکھتے ہیں آپ ہیں کہ میں تو اپنے جنگلوں میں پانیوں کی چاہ میں سراب ہو چکا ہوں، اپنا خواب ہو چکا ہوں، جانتا تھا عشق ہے وہ پیاس جس کی مُشک نے سمندروں کو بھاپ کر دیا......!!

اسے آزردگی لاحق ہے

اسے آزردگی لاحق ہے، اس کے بچپنے پر پولیو کا گھاؤ ہے، اک ٹانگ چھوٹی بھی ہے اور کمزور بھی ہے، وہ سمندر پار کر کے اس جوانی کے شمال الغرب میں اُترا تھا اب اس پر بڑھاپا آرہا ہے، اس کی بیوی کے بدن پر مشرق و مغرب کی چربی ہے، اسے پژمردگی کا عارضہ ہے اور کمر میں درد رہتا ہے، دواؤں کی بھی حد ہوتی ہے، دروازے ہمیشہ بالکونی کی طرف ہی تو نہیں کھلتے کہ پھندے بھی تو آزادی کا رستہ ہیں، بھنور شریان میں ہوں تو پلوں سے کودنے کی کیا ضرورت ہے، مگر وہ سوچتا رہتا ہے لیکن سوچتا کم ہے کہ اس کو اپنی نامردی پہ ملک الموت سے بڑھ کر یقیں ہے، کانپتا رہتا ہے دن بھر، رات بھر نیندوں کی پہرے داری کرتا ہے، نہ اس کو خواب آتے ہیں نہ اس کی آنکھ کو سورج، ستارے، پھول اور تتلی سے کوئی واسطہ ہے، جانتا ہے وہ اسے آزردگی لاحق ہے، ہنسنا چاہتا ہے، سوچتا ہے کیوں ہنسوں، میں ہنس پڑا تو زندگی ہنسنے لگے گی......!

اس نے سوچا

اس نے سوچا
شہر کا کیا ہے
جو گلیوں کی دھول ہے وہ تو
کسی بھی سر پر جم سکتی ہے
دروازے ہیں
کھلے رہیں یا بند وہ صحرا
جو کمروں کے گلدانوں تک آ پہنچا ہے
وہیں رہے گا..........!!

یہاں آگ تھی

یہ جو راکھ ہے
یہاں آگ تھی
یہاں چوبِ خشک تو چوبِ خشک ہے شاخِ سبز بھی آگ تھی
تمہیں کیا خبر ہو مسافرو
یہ جو استخوان ہیں جسم و جان تھے، رقص تھا یہاں رات بھر
یہ جو ریت ہے
یہاں جنّتوں میں پھراہوں میں
یہاں سیب تھے
یہاں سانپ تھے

یہاں حسن تھا جسے دیکھ کر......
تمھیں کیا خبر!
ہمہ بابل وہمہ نینوا یہاں دفن ہیں
یہاں دیوتا بھی، خدا بھی آ کے بھسم ہوے
یہاں آگ تھی
یہاں آگ تھی
جو بجھی نہیں ہے مسافرو!

اپنے وقت سے کٹی ہوئی ایک ساعت

تم بھی ، تم جو میرے طبیب بنے پھرتے تھے
تم بھی
وہ بھی ، وہ جو میرے حبیب بنے پھرتے تھے
وہ بھی

سارے آؤ
دیکھو
تارکول کی چادر پر یہ دھبّا دھبّا ریشہ ریشہ بکھری ہوئی جو چیز پڑی ہے
میں ہوں

میں تھی
ایک گھڑی پہلے جو اس چوٹی پر اپنے آپ میں سمٹی ہوئی اک چیز کھڑی تھی
میں تھی

میں نے سوچا

یہ جو مرے طبیب ہیں اور جو مرے حبیب ہیں انہیں دکھاؤں

جو بس نبض پہ رکھی انگلیوں اور اس آنکھ میں جھانکتی آنکھوں سے اوجھل ہے

اک لمحہ تھا

سو صدیاں تھیں

میں نے دیکھا

میں ہی میں ہوں

میں ہی میں تھی

مجھ سے میری جنگ تھی جس میں

میں ہی جیتی

میں ہی ہاری

تم جو مرے طبیب بنے پھرتے تھے

اور جو مرے حبیب بنے پھرتے تھے

کہیں نہیں تھے

گوندا کی کہانی

وہ بولا:

"دسمبر پر مئی کا بوجھ مت رکھ

ہوا کی داستاں سن۔"

پھٹا کُرتا تھا، سر میں دھول تھی، ہاتھوں میں چھالے،

پاؤں میں جوتے نہیں تھے

مگر وہ بات کرنا اور ہنسنا جانتا تھا

ہنسا اور ہنس کے بولا:

"بُھلا دینے میں سکھ ہے۔"

ہوا کی بات سنتے
ہوا کے ساتھ چلتے
زمانے ہو گئے ہیں
سفیدی صرف بالوں میں نہیں آنکھوں پہ بھی جمنے لگی ہے
نومبر آ لگا ہے

میں اُس کو بھول بیٹھا
میں سب کچھ بھول بیٹھا
زمانے ہو گئے ہیں
پھٹا کُرتا ہے، سر میں دھول ہے، ہاتھوں میں چھالے،
پاؤں میں جوتے نہیں ہیں
ہنسی اندر ہی اندر گونجتی ہے
لبوں کو چومتی ہے بات لیکن لب نہیں ہلتے
ہوا ٹھنڈی بھی ہے اور تیز بھی ہے!

ابوعبیدہ

ابوعبیدہ کا فیصلہ ہے درخت کاٹو
وہ سب حرارے جو تم پھلوں میں تلاش کرتے ہو
وہ جڑوں میں ہیں
جڑ چباؤ

ابوعبیدہ کا فیصلہ ہے

ابوعبیدہ
عبائے ریشم بدن کی زینت
عمامۂ زرنگار سر پر

ابوعبیدہ ہیں جو کہ رخشِ ہوا پہ چابک چلا رہے ہیں
کہ سیرِ جنّت کو جا رہے ہیں

''ابوعبیدہ............''
''ابوعبیدہ ذرا ٹھہرنا۔''
پسِ دریچہ برہنہ پا و بدن دریدہ کھڑی ہے بنتِ ابوعبیدہ
نہ گھر میں گندم نہ خشک انجیر اور نہ خرما
گدا وگر ما گلی میں دوزخ منا رہے ہیں
فرشتے چابک چلا رہے ہیں
کہ سیرِ جنّت کو جا رہے ہیں ابوعبیدہ

ابوعبیدہ کو سب روا ہے
ابوعبیدہ کا فیصلہ ہے

خوف

بلا چھپا ہوا ہے
برف کے نیچے دبی ہوئی کسی چوٹی پر
کسی غار میں پڑا ہوا ہے
دنیا ڈری ہوئی ہے

دنیا
رنگ برنگی روشنیوں سے سجے ہوئے کمروں میں
دنیا بینکوں میں ، سڑکوں پر
دنیا لفظوں میں

جہاں کہیں پر بھی ہے
دنیا ڈری ہوئی ہے!

بستی میں لوہار جمع ہیں
عید بنی ہے ترکھانوں کی
دنیا
تلواروں اور تیر کمانوں کی منڈی میں کھڑی ہوئی ہے
ڈری ہوئی ہے

بِلّا چھپا ہوا ہے
کہیں کہیں پر، کبھی کبھار، کسی کسی کو
بِلّے کی آواز سنائی پڑ جاتی ہے
ڈری ہوئی یہ دنیا ڈر کے اور سکڑ جاتی ہے
باہر نکلو
اپنے اپنے ڈر سے باہر نکلو
گھر سے باہر نکلو

بِلّا اُڑا ہوا ہے

باہر کھڑا ہوا ہے

باہر کھڑے ہوے بِلّے کا سایہ کھڑا ہوا ہے

بِلّا چھپا ہوا ہے

چھپے ہوے بِلّے سے دنیا ڈری ہوئی ہے

ڈرے ہوے بِلّے سے دنیا ڈری ہوئی ہے

تیس برس کی دوری سے آیا ہوا خط

خود بھی نہیں آئے
خط بھی نہیں لکھا

مہتاب بھری راتوں میں
جس حوض میں شہزادی کے
تن کا کنول کھلتا تھا، اب
اس کے کنارے پر
کیکر بھی نہیں اُگتے

کس سے ملو

کس حوض میں جھانکو
کس ہرن کا پیچھا کرو

تم تھے

تم نے
خط بھی نہیں لکھا
اس کھنڈر کی
جس میں حوض ہوا کرتا تھا
جس میں شہزادی کا کنول کھلا کرتا تھا
تصویریں بھی نہیں مانگیں
خود بھی نہیں آئے!

رات کی حمد

دن میں دیواریں ہزار
دن میں رخنے بے شمار

رات بے دیوار و دَر
رات کے لشکر کو کوئی روکنے والا نہیں
رات کے رستے میں گھر، کوچے، نگر
کوہ و دمن
دشت و چمن

بحر و بر
خیر و شر
رات اندھیرے کا بھنور

رات خاموشی کا بَن

رات خوابیدہ خداؤں کا کلام

رات ناپیدا و پیدا کائناتوں سے قدیم

رات کے ہاتھوں میں ہے وحشی زمانوں کی زمام

دن بہت اچھا ہے لیکن اس کے آنے کی ضمانت

سورجوں کے ہاتھ میں ہے

بادلوں کے ہاتھ میں ہے

رات آئے گی ضرور!

رات اک پروردگارِ پُرغرور

رات کی مٹھی میں وہ منظر ہے جس کی اک جھلک

کوہساروں میں دراڑیں ڈال دے

کوہساروں سے پَرے

بھربھری مٹّی ہے اس کے روگ ہیں

ہنہناتی گھوڑیوں کے سوگ ہیں

آسماں کی راکھ ہے چنگاریوں کا کھیل ہے!

نیند میں ڈوبی ہوئی بستی ، ہلاکو خان کی فوجیں ، اندھیرا ، آگ ، کٹتے نرخرے ، جلتے ہوے بچوں کی چیخیں ، رقص کرتی داسیاں ، بدمستیاں ، مٹکے شرابوں کے ، سلاخوں پر ٹنگے بکرے ، ہلاکو خاں کا جشن!

رات کی وحشت ہلاکو خاں کا خواب
شیر خاں کی کائنات
رات
گیدڑ کا جہاں
رات عیّاری کا دن
رات امریکہ کی بمباری کا دن!

رات کے ساحل پہ محفل دوستوں کی ، دشمنوں کی ، سازشی ٹولے ، بغاوت ، پوسٹر ، سوروں کی بیٹھک پر نہتّی مرغیوں ، گھوڑوں گدھوں ، کتوں کا حملہ ------
- - - - - - کچھ علاقوں،

کچھ زمانوں کا اندھیرا خون سے دُھلتا ہے ، بستی بستیاں
بلڈوزروں کی زد پہ آتی ہیں ، لہو بارود بنتا ہے ، بدن کی
پھلجھڑی کا پھول کھلتا ہے!

رات اک پروردگارِ پُرغرور و مہرباں!
ایک بحرِ بے کراں جس میں ہزاروں سال کے بچھڑے ہوئے
دھارے گلے ملتے ہیں ، روحوں کے بدن کی میل ، تن میں
کلبلاتی روح کی آلائشیں اور وصل کا پانی ------ دعا
کی نگہبانی میں طہارت کا عمل!
رات کی آغوش میں سب مسئلوں کا حل ، سوالوں کے جواب
رات کے ملبے میں خواب!

رات بستر کی طلب
آپ سے، دنیا سے، اپنے آپ سے، سب سے پنہ
رات کو رونا ثواب
رات کو سونا گنہ

کروٹیں ہی کروٹیں ہیں، سلوٹیں ہی سلوٹیں ہیں صبحدم جسموں
پہ بھی، روحوں پہ بھی

بھوت ہیں اپنے سوال
بھوت ہیں اپنے جواب

ہاڑ کے دن ، آم کا سایہ ، ندی ، کوئل ، کسی کے حُسن کی جھلمل ۔ ۔ ۔ فقط اک پَل ہے جو قبلے بدل دیتا ہے ، سجدوں کی جگہ پیشانیوں میں آگ بھر جاتی ہے ، رستے وہ نہیں رہتے، نظر پگڈنڈیوں کی کھوج میں رہتی ہے ، دل جنگل میں لگتا ہے ۔ ۔ ۔ کہیں اندر چھپا اک بھیڑیا ہے ، جاگ اٹھتا ہے اندھیرے سونگھ کر!

رات کی مٹھی میں خوف
رات کے ملبے میں خواب

رات ازلوں کا بہاں ہے اور جہانوں کا ابد

بے حد ہے رات!

رات کی حد پر جو دن ہے رات کی حد پر نہیں ہے رات کی آغوش میں ہے

رات ربِّ بے نہایت کا پیام

رات کے ہاتھوں میں ہے وحشی زمانوں کی زمام

رات کا سنگِ سیہ

تیری پنہ

میری پنہ

دل پہ دھبّے بے شمار

دن ہوا تو داغ سارے ساری دنیا کے لیے

دن کے دریا میں کثافت شہر بھر کی

دن میں دیواریں ہزار

دن کی دیواروں میں رخنے بے شمار

رات بے دیوار و دَر

رات بے دیوار و دَر ہے اور پردہ دار بھی

رات کا پانی بڑا شفاف ہے،
فیاض ہے!
تُو بھی اپنے داغ دھو،
رو،
تخلیہ ہے رات میں
تُو ہے یا تیرا خدا ہے رات میں!

شعر

خلیہ ہائے خوں مثالِ خار و خس خوار و زبوں
دردِ خوابیدہ بھڑک ، حکمِ بشارت ہے مجھے

دھند میں لپٹی ہوئی دعا

دھند ہے
دھند ہے اور رات ہے
بھیڑیے سوئے نہیں
روشنی کی اک کرن جو سانس کی اندھی گپھا میں
دھڑکنوں کی جھاڑیوں میں سرسراتی ہے
اسے سورج بنا

اے خدا
بے حسی کی منجمد جھیلوں کو آتش بار کر
میرے دل سے کابل و بغداد تک
دھند ہے
دھند ہے اور رات ہے
بھیڑیے سوئے نہیں

ضمیر کو لوری

گھروں کے آس پاس بھی، گھروں میں بھی
نہ سایے ہیں، نہ دھوپ ہے
نہ سوگ ہے، نہ گالیاں
بس ایک بے حسی ہے جس کی شہر کے
آخری مکان تک رسائی ہے
دہائی ہے کہ لوگ اپنے سورجوں کو بے کفن سپردِ خاک کر رہے ہیں
اور رو نہیں رہے
امام اپنی اُمتوں کے داغ دھو نہیں رہے
قیامتیں ہیں اور
۔۔۔آپ ہیں

خداؤں کے نواح میں

خودی بنے ہوئے ہیں، اپنے خلیہ ہائے خون کو چراغ کر رہے ہیں اور

چراغ کا دفاع کر رہے ہیں آپ

اک پھٹی قمیض سے

حضور دیکھیے کہ جنگ درمیانِ دامن و چراغ بھی، ہوا بھی ہے

سپاہِ کج کلاہ کی زرہ کو زنگ لگ چکا

کمان کو انگیٹھیاں نگل چکی ہیں آپ بھی

لحاف میں پڑے رہو

۔۔۔خواب میں اذان دو

ضمیر خان

اس نگر میں جاگنا فضول ہے!

بھونک

شور ہے،

آہیں، کراہیں، گالیاں، نعرے، خموشی

شور ہے

خامشی کا شور ہے

خامشی ہے فیکٹری میں گریس بنتے باپ کی

کیتلی میں آنسوؤں کا شور ہا ہے، ماں کی آنکھوں میں سلگتی

ریت پر بچوں کے سایے سورجوں کی جیکٹیں پہنے ہوے

رقصاں ہیں

بھونک!

جانِ ناپُرسان بھونک

بھونک اس شہرِ ستم کی بے وفا گلیوں میں جس کے مدرسوں
میں کھڑکیاں ہیں اور نہ روشندان ہیں
مسجدیں شامِ غریباں، روشنی غارِ حرا میں قید ہے
بوجہل اور بولہب کی چھاتیوں پر تمغۂ جرأت سجے ہیں
بھونک،
اے خارش زدہ حیوان
بھونک!
بھونک ان کے واسطے جو بھونک بھی سکتے نہیں!!

خدا جانتا ہے

خدا جانتا ہے یہ سارا بکھیڑا نہ اس ریت کا ہے جہاں شتر تشنہ کا ڈھانچا
ملے گا نہ ڈھانچے کا ہے اور نہ اُس شترِ تشنہ کا جس نے کنووں کے
کنویں پی لیے اور پیاسے کا پیاسا رہا تھا خدا جانتا ہے

خدا جانتا ہے کہ یہ تیل بھی کھیل ہے اور فلسطین بھی اک تماشا ہے
اصلی تماشے کا حصہ جسے دیکھنے والے یا وہ ہیں، جو قصرِ ابیض میں چرغے اڑاتے
ہیں یا وہ ہیں جن کی زبانوں پہ چھالے ہیں ہاتھوں میں رعشہ خدا جانتا ہے

خدا جانتا ہے کہ طاقت کا مرکوز مطلق وہ خود ہے (نہ مغرب نہ مشرق) زمیں پر اگر کوئی
فرعون آئے (کہ نمرود) بارود بنتی ہے گندھک، جو یرقان لگتی ہے، بیمار ہاتھوں کو
تلوار کرتی ہے نفرت خدا جانتا ہے

خدا جانتا ہے کہ دوطرفہ نقصان جنگوں میں ہوتا ہے دوطرفہ نقصان یک طرفہ جنگوں میں
ہوتو وہ فاتح جو فاتح سمجھتے ہیں خود کو وہ ہارے ہوئے لشکروں کے بھگوڑے کماں دار
ہوتے ہیں خوابوں میں ڈرتے ہیں راتوں کو سوتے نہیں ہیں خدا جانتا ہے

خدا جانتا ہے
خدا سوچتا ہے مجھے کیا پڑی ہے وہ سوروں کے دلدادہ یہ بھائیوں کا لہو
پینے والے یہ خود اپنی جونکیں وہ بم دیوتا کے پجاری مجھے کیا پڑی ہے خدا سوچتا ہے
خدا سوچتا ہے کہ جو کھیل ہے وہ تو میں صرف میں دیکھتا ہوں
خدا دیکھتا ہے
خدا جانتا ہے

امریکہ میں رات کے آٹھ بجے ہیں

وہ کہتے ہیں، سورج چڑھے کہ ڈوبے، ڈالر غروب نہیں ہوگا
وہ کہتے ہیں
وہ جو خدا ہیں وہ کہتے ہیں، ہم سنتے ہیں

کیا ہو
تم جو سب ہو، سارے مل کر بھی تم کیا ہو
(ہم ہیں)
تم سب مل کر بھونکو بھی تو یہاں سنائی نہیں دیتے ہو
اپنے پھیپھڑے زخمی کرتے ہو تم، دہائی نہیں دیتے ہو

تم جو دہکتی آنکھیں لے کر سڑکوں پر نکلے ہو
ہمیں دکھائی نہیں دیتے ہو
دیکھو
ہم ہیں
یواین او میں
یواین او سے باہر ہم ہیں
اور ہمارے پاس وہ بم ہیں جن کی پہنچ وہاں تک ہے
جہاں
ہوا نہیں جاتی
جہاں پروردگار نہیں جاتا وہاں ڈالر جاتا ہے
ڈالر جبرائیل ہمارا
ڈالر میکائیل ہمارا
ہم دیتے ہیں رزق انہیں جو ہمیں خدا کہتے ہیں
ورنہ
عزرائیل ہمارا
اسرافیل ہمارا

انتباہ

ابابیلیں ابھی زندہ ہیں ظالم ہاتھیوں والو
وہ کعبے جو دلوں میں ہوں، ہتھوڑوں سے نہیں ڈھیتے
اگر موسیٰؑ نہ آئیں تو بھی اہراموں سے وحشت ہی ٹپکتی ہے

ابابیلیں ابھی زندہ ہیں ظالم ہاتھیوں والو
کہ نفرت وہ توانائی ہے جو ذرّے کو ایٹم بم بناتی ہے
ادھر دیکھو
پہاڑوں پر،
بیابانوں میں، صحراؤں میں، جو بھی ہے

(محبت بھی)
سبھی نفرت سے تم پر تھوکتے ہیں
(لڑ نہیں سکتے)
بظاہر لڑ نہیں سکتے
مگر دیکھو
وہ کعبے جو دلوں میں ہیں ہتھوڑوں سے نہیں ڈھیتے

اندھیرا ہے،
زمانوں کا،
مکانوں، لامکانوں میں
اندھیرے میں خدا کی روح کی جنبش،
دہکتے کوئلے جو پسلیوں کی پھونکنی کے اس سرے پر ہیں
انہیں کیسے بجھاؤ گے؟

وہ حرفِ حق،
خبر اخبار کے باہر بھی ہوتی ہے

(خبر اخبار کے باہر ہی ہوتی ہے)
۔۔۔وہ حرفِ حق ہے جو ہاتھی پہ کنکر بن کے گرتا ہے
وہ حس کو ابرہہ کی موت کہتے ہیں!

ابابیلوں کی دھڑکن کون سنتا ہے
مگر جانو
مؤرّخ کو فقط کچھ ڈھیریاں بُھوسے کی ملتی ہیں
اگر موسیٰؑ نہ آئیں تو بھی اہراموں سے وحشت ہی ٹپکتی ہے!

سوتا جاگتا خواب

تجھے ماریں
دل کہتا ہے
مل جل کر تجھے ماریں
تجھے ماریں ، اتنا ماریں ، صحراؤں کی دھوپ میں ماریں ، نمک بھرے پانی میں ماریں ، ماریں ، اتنا ماریں ، سارے ہرن اور سارے کبوتر ، وہ جو کبھی ہمارے باغ کے پھول تھے ، وہ جو تیرے معدے میں ہیں ، تیرے منہ کے رستے باہر نکلیں ، دیکھیں تجھ کو مار پڑی ہے!

تو جو خود کو دنیا بھر کے دستر خوانوں کا مہمان سمجھتا ہے جو ننھے منے بچوں کے پیٹوں سے لٹکتی انتڑیاں دیکھ کے ہنستا ہے اور کہتا اور سمجھتا ہے یہ دنیا تیری ہے، تجھے ماریں!

ہم سب ، ہم جو بے ہتھیار ہیں ، جن کی گندم ، جن کا پانی ، جن کا تیل اور جن کا سونا ، جن کا خون پسینہ تیرے خس خانوں میں گرتا ہے تو تجھ کو ٹھنڈک ملتی ہے، تجھے ماریں!

تجھے ماریں
دل کہتا ہے
مل جل کے تجھے ماریں!
اور ماریں گے تجھے تیرے اپنے ہتھیاروں سے ، تیرے جہازوں ، تیرے بموں ، تیری بندوقوں ، تیرے ریڈیو ، ٹی وی اور اخباروں سے تجھے ماریں گے!

تجھے ماریں گے وہ ننھے منے لوگ جنہیں تو جانوروں سے گھٹیا سمجھتا ہے ، تو جن کی روٹی چھین کے ان پر بم برساتا ہے اور مرے ہوے لوگوں کی خاطر پانی اور دوائیاں لے کر آتا ہے تو ٹی وی دیکھتی خلقت تجھ کو سخی سمجھتی ہے
تجھے ماریں گے!

تجھے ماریں گے!
مرا دل کہتا ہے!!

کربلا سے امام باڑے تک

شہر کے خاردار تاروں پر
دھجیاں ہیں کسی کے کُرتے کی
شہر پر خامشی کا پہرا ہے

لوگ سوتے نہیں ہیں راتوں کو
دن کو اسکول بند رہتے ہیں

طفلِ عیّار لوحِ دانش پر
کوئلے سے لکیر کھینچتا ہے
شہر کی بدقماش سچائی
شعر ہونے سے خوف کھاتی ہے

نظم قطع و برید کا حاصل
نظم تصویر پر بنی تصویر
شہر خود شہر کی علامت ہے

اے ستاروں سے دیکھتی دنیا
باپ کی گود میں چھپا بچہ
جس کی بندوق کا نشانہ بنا
کوئی ڈاکو نہ تھا ، سپاہی تھا

سب نے دیکھا کہ ماں کے سر کی ردا
بیٹیوں کا لباس ، باپ کا دل

ریشہ ریشہ ہوئے سرِ محفل
سب نے دیکھا ، سبھی خموش رہے

اے ستاروں سے دیکھتی دنیا
اے کتابوں سے جھانکتی دانش
شعر سچا بھی ہو تو جھوٹا ہے

کربلا سے امام باڑے تک
پیاس آتی نہیں شہیدوں کی
بس انیس و دبیر آتے ہیں
شعر پڑھتے ہیں ، داد پاتے ہیں

حادثات وواقعات

حادثات

بھول جاتے ہیں کبھی

اور کبھی بھولنا پڑتا ہے۔۔بات

ختم ہوجاتی ہے لیکن بات کا سایہ ہے جو

روز وشب

ماہ وسال

ہر جگہ، ہر حال میں

آپ کے

ساتھ ساتھ!

جو ہوا

کیوں ہوا
کس خدا سے پوچھیے کس جال میں
جو پھنسا
کیوں پھنسا
لا کے گورستان میں
راکھ بھی جن کی نہیں باقی بچی
ان ستاروں کی سہانی روشنی
رات کی مطلق عنانی سے بچاتی ہے ہمیں!

آپ تھے، ہم تھے، ہمارے خواب تھے
آپ کے ہونے کی کوئی اِک شہادت ہی ملے،
ملتی نہیں!

خواب ہیں
خواب ہیں جو آپ کی آنکھوں نے دیکھے تھے ہمارے واسطے

بے تاب ہیں
رستہ دکھانے کے لیے!

پاگل مور

جب وصل کی رُتیں تھیں
دیوار ڈھونڈنے میں
عمریں تمام کر دیں

ایسے بھی دن گزارے
جنگل سے خوف آیا

اک روز تنگ آ کر
نادان جانور نے
بستی کو گھر بنایا

اب سردیوں کے دن ہوں
یا گرمیوں کی راتیں
دیوانگی کی گھاتیں

وہ طائرِ قلندر
آنکھوں میں گھپ اندھیرے
صد رنگ دھجیوں کی
پوشاک خستہ تن پر

تن میں بھڑکتے شعلوں
کی بدحواس دھن پر
آنگن کو بَن سمجھ کر
دن رات ناچتا ہے

سلطان علی کا المیہ

لاہور چلو

لاہور چلو ، لاہور چلو
لاہور میں ہے وہ چورن جو
ہر وحشت کو کھا جاتا ہے

سلطان علی

سر سبز دنوں کی ویرانی
کا روگ لیے
لاہور گئے

لاہور کی بات نرالی تھی
گدلائی ہوئی تھی دھوپ وہاں
کملائی ہوئی ہریالی تھی
سڑکوں پہ بلا کی رونق اور
سینے میں بلا کا سناٹا
سلطان علی کے سپنوں میں
اب ویزا تھا امریکہ کا

واشنگٹن کے مے خانوں میں
سلطان علی کے کانوں میں
پنڈ دادن خان کے مچھر اب
دن رات گٹار بجاتے ہیں

پنڈ دادن خان کی گلیوں میں
سلطان علی
کو جاننے والا کوئی نہیں

قابیل کا دکھ

چڑیا بھیرویں گاتی ہے تو
شہرِ سماعت سُندر بَن بن جاتا ہے
سنّاٹے کی دھاڑ چنگھاڑ سے بھرے ہوے
جال نہیں کھل پاتے
ہرنوں کی ڈاریں آنکھوں میں مٹّی بھر دیتی ہیں

کس خواہش کی دھوپ دلوں میں کالک بھر دیتی ہے
کس جنّت کی سوچ دنوں کو دوزخ کر دیتی ہے
بھید نہیں کھل پاتا!

''خوش ہوں۔'' وہ کہتی تھی
''بچے، گھر، فرنیچر،
اچھے کپڑے،
مہنگا زیور
اور محبت کرنے والا شوہر
اتنا کچھ ہے بابل کا گھر بھول گئی ہوں۔''

''بیٹا پھر لقموں کے بیچ یہ لمبے لمبے وقفے کیوں ہیں؟
تکیہ کیوں گیلا ہے؟
سارا سارا دن تم دھوئے ہوئے برتن کیوں دھوتی رہتی ہو؟''

''پتا نہیں ماں۔۔۔!''

پتا نہیں می لارڈ کسی کو پتا نہیں کیوں؟؟

وہ تھی، لاش، کے پاس کھڑی تھی، اس کے ہاتھ لہو میں تر تھے
لیکن آنکھوں میں چڑیا تھی
پتا نہیں می لارڈ کسی کو پتا نہیں کیوں!!

کسے پتا ہے!
پیارے ہر من ہیسے
بول یہاں قابیل کے دکھ کا کسے پتا ہے؟

کیا اس بہتے خون میں اس کی خوشی چھپی تھی؟
کیا اس بکھری زلف کے سایے دوزخ ٹھنڈے کر سکتے تھے؟
کیا قابیل کو علم نہیں تھا؟

روبوٹوں کی اس دنیا میں

اتنے بڑے جہان میں یہ چھوٹا سا لان، یہ تین درخت ہیں اور
پانچ پرندے میرے ہیں

''تیرے ہیں''
دن چڑھتے ہی چڑیا گانے لگتی ہے
''ہم تیرے ہیں''
اور میں شبنم کی ڈھال اٹھائے دھوپ سے لڑنے چل پڑتا ہوں!

تارکول کے صحرا میں

پگھلے لوہے جیسا دن
تانبے کے انسان!

یہ ڈالر کی دھوپ ہے اس کی تپش جہنّم جیسی ہے!

''دیر سے آئے ہو۔''
''جی بیوی کو بخار ہے، بچے روتے تھے
بسوں کی ہڑتال ہے، پیدل آیا ہوں۔''
''آیا رکھ لو، موٹر سیکل لے لو، کام تو کام ہے بھئی
ہڑتالیں وڑتالیں تو ہوتی ہی رہتی ہیں
لیکن تم
کل بھی دیر سے آئے تو تنخا رک جائے گی۔''

بچے روتے ہیں:
''ممی، ممی!''

''ممی ممی ۔۔سارادن ممی ممی
مجھ کواور ضروری کام بھی ہیں اس دنیا میں ۔''
(بیوٹی پارلر، فٹ نس کلب اور وغیرہ وغیرہ)
''شوفر یہ لوایک ہزار کا نوٹ ہے ان کو میک ڈونلڈ میں لے جاؤ
برگر ورگر لے دینا
میں آج بھی دیر سے آؤں گی ۔''

یہ ڈالر کی دھوپ ہے اس کی تپش جہنّم جیسی ہے
جن کے پاس بہت ہے وہ بھی، جن کے پاس نہیں ہے وہ بھی
اس کی آگ کا ایندھن ہیں

مولا تیرا شکر ہے روبوٹوں کی اس دنیا میں، ضربوں تقسیموں کے
اس دوزخ میں، یہ چھوٹا سا لان، یہ تین درخت اور پانچ
پرندے میرے ہیں
یہ جنّت میری ہے۔۔۔!

ریشم جیسی گود کی خواہش

۔۔۔اور ہم کھیل رہے تھے، خوش تھے
ابو آئیں گے،
لڈو لے کر آئیں گے!
تُو آیا تو تیرا چہرہ زرد تھا، تیری آنکھ میں آنسو تھے،
تیری مہینے بھر کی کمائی جیب تراش کی جیب میں تھی!

تیری آنکھ میں آنسو تھے
لیکن
تیرے خواب کا پودا ہرا بھرا تھا

میں نے تری جوانی دیکھی ہے!

میں نے تیرے ساتھ بیالیس سال گزارے ہیں
میں نے تیرے ابا کے کاندھے دابے ہیں
میری اس کی لمبی لمبی سیروں کا انجام تھا، سرما کا آغاز تھا
تیز ہوا تھی، اس کے بدن کا ریشہ ریشہ تیشہ بنا ہوا تھا،
سانس کا پتھر سخت سے سخت ہوا جاتا تھا، میں نے
اُس کی کمر دبائی تھی۔۔۔۔۔!
میں نے ان آنکھوں میں تیرا بچپن دیکھا تھا!

دن۔۔۔۔
جیسے بھی ہوں گزر ہی جاتے ہیں
لیکن پہلی کتاب کا پہلا صفحہ کھلنے سے بھی پہلے
ماں کا گزر جانا۔۔۔!
عمر گزر جاتی ہے لیکن
ریشم جیسی گود کی خواہش

اک مکڑی کا جالا بن کر زندہ رہتی ہے
ایسا بستر، ایسا سرہانا جس میں بھاری سر کا بوجھ سما جائے
کہیں نہیں ملتا
کبھی نہیں ملتا

رُکے ہوئے آنسو اور سکول کا رستہ۔۔۔بہنیں
باپ کا کھیسہ خالی تھا
سو
تیرے بستے میں بھی کتابیں کم تھیں خواب زیادہ تھے!

رستے میں جنگل تھا، جنگل کی مخلوق تھی، چور اُچکّے تھے
ڈاکو تھے، ٹھگ تھے، جیب تراش تھے

تُو مسجد کو جائے امان سمجھتا تھا
لوگ وہاں جعلی اسناد پہ مہریں لگوانے جاتے تھے

ان سے ملیے، یہ بھٹی صاحب ہیں، اپنے یار ہیں، نیک، نمازی، روزے دار ہیں
۔۔۔۔۔ ان کے گھر میں سموسے بڑے اچھے بنتے ہیں، ان کے گھر
چلتے ہیں!

اور تُو یاروں کا یار تھا
تُو تنہا تھا اور یہ دنیا تھی
جنگل تھا
بہنیں تھیں، باپ تھا، بیوی تھی، بچے تھے
تُو تنہا تھا۔۔۔ میں نے دیکھا ہے
میں نے تیرا لہو پسینہ بنتے دیکھا ہے

پھر
تیس برس یک رنگی کے، بے لفظی کے
تیس برس میری گم راہی کے
(پاگل تھا،
میرے خواب میں پاپی دنیا بھی شامل تھی!)

تیس برس۔۔۔!
جنگل تھا، جنگل کے قانون تھے
تو
محنت، محنت، محنت اور محنت
بچوں کے کپڑے، بچوں کی خوشیاں، بچوں کی فیسیں
اور لوگ بڑے ہوشیار تھے!

''کر دو جی کر دو دستخط کر دو۔''
'' تم تو ہمارے بھائی ہو ، ہم میں تم میں فرق ہی کیا ہے !''
'' کیا ہے -- پندرہ سولہ ٹوٹے ہوئے ہتھوڑے ہیں، سو ڈیڑھ سو زنگ آلودہ کیل ہیں ، نو دس من پائپ ---- گلے سڑے ---- اور ایسا ہی باقی سکریپ ہے ، بس اک دو ہفتے ہی میں پورا کر دوں گا میں --- اے جی آفس میں کل چارج رپورٹ ضروری ہے ، ورنہ پہلے پورا کر دیتا ۔ ۔ ۔ تم تو مجھ کو جانتے ہو ، یاروں

کا یار ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چائے پیو جی ، بسکٹ بھی لو۔ ۔
۔ ۔ شکریہ ، شکریہ ، بس اک دو ہفتے ہی میں ۔ میں ۔''

اک دو ہفتے،اک دو مہینے، بارہ تیرہ سال، رٹائرمنٹ
اوراب گیارہ سال سے رکی ہوئی پنشن
ٹینشن ہی ٹینشن
اور بیوی کی بیماری
بچوں کی عمروں سے بھی لمبی بیماری۔۔۔!
میں نے تجھ کو بوڑھا ہوتے دیکھا ہے
میں نے تجھ کو ایک ہی دن میں بوڑھا ہوتے دیکھا ہے

پچیس بوتلیں او نیگیٹو خون کی (''نہیں نہیں پاگل ہو بیٹا نہیں نہیں تم خون نہیں دو گے ، کمزوری ہو جائے گی ۔ ۔ ۔'' ''انکل انکل اتنا دکھ ہوتا ہے کہہ نہیں سکتی ، روتی اور دعائیں کرتی رہتی ہوں میں، اللہ اس کو تندرستی دے'') اپریشن کا سامان پچھتّر ہزار روپے کا (رُکی ہوئی پینشن اور رُکی ہوئی تنخواہیں!) سرجن کی مصروفیت (کل ، نہیں کل ، نہیں پرسوں!) اور ڈیڑھ ہزار کی روزانہ کی دوائی (اکثر رات کو تکیے کے نیچے سے چوری ہو جاتی تھی!)

۳۔جنوری ۱۹۹۶ء۔۔۴ بجے دوپہر

''جھوٹ بولتے ہیں۔''

''جاوید یہ ڈاکٹر جھوٹ بولتے ہیں۔''

''بند مرے اندر ٹوٹا ہے، آندھیاں میرے سینے میں چلتی ہیں، مجھ سے پوچھو!''

ڈاکٹر جاوید انور کا بھائی، سب انجینئر انور علی کا بیٹا شہزاد انور کل چونتیس سال کی عمر میں شہ رگ پھٹ جانے سے ایک مقامی ہسپتال میں دم توڑ گیا۔۔ انا للہ وانا۔۔۔اس کی پچھلے سال سے رُکی ہوئی تنخواہیں اس کے لواحقین کو مل جائیں گی (محکمہ کے حکامِ اعلیٰ) وہ اک بہت ہی رحمدل، ایماندار افسر تھے، ان کی سخاوت بھول نہیں سکتے ہم۔۔۔۔اس کے ماتحتوں کا کہنا ہے۔۔۔۔

صبر کرو، صبر کرو، برا ہوا، تقدیر میں کس کو دخل ہے، رونے دیں، دعا کریں

مت روئیں، اللہ اس کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے، بھائی صبر کریں،

انکل صبر کریں۔۔۔!!

''صبر کرو

صبر کرو۔۔۔!؟

کیسے صبر کرے

انساں کتنا صبر کرے

صبر کو میں نے رعشہ بنتے دیکھا ہے

صبر سے میں نے شریانوں کو پھٹتے دیکھا ہے

ٹینشن ٹینشن ہائپر ٹینشن۔۔۔ بیٹا، فالج بجلی بن کر گرتا ہے

کوئی بستر، کوئی سرہانا جس میں بھاری سر کا بوجھ سما جائے

کہیں نہیں ملتا

کبھی نہیں ملتا۔''

شعر

ہم لوگ وہ ہیں اے شجر جو شام تک سویا کیے
جاگے تو جن کے پاؤں میں کانٹے ، سروں میں دھول تھی

ایک خانہ بدوش خواب

کوکھ میں گہری تاریکی تھی
تاریکی میں
بجھا ہوا اک تارہ
اک بے دھڑکن دل تھا

آنکھ میں گہرا سناٹا تھا
سناٹے میں
دور کہیں اک آنسو
بے منزل تھا، لا حاصل تھا

اور دنیا تھی
سپنے کے رستے میں اپنا
سپنا بُنتی دنیا
کچھ نہ کہتی دنیا
کچھ نہ سنتی دنیا

تین شعر

اپنی منزل کی طرف جاتا ہے
تیر ہے ، دل کی طرف جاتا ہے

حجلۂ خواب سے نکلے تو کھُلا
راستہ مِل کی طرف جاتا ہے

ڈوبنے والے مگر ایک بھنور
ہے ، جو ساحل کی طرف جاتا ہے

ایک قدیم یونانی دھن

اے یونان کے بیٹو آؤ
بائیں ہاتھ میں ڈھال اُٹھاؤ
دائیں ہاتھ میں نیزہ پکڑو
اور خداوندانِ جنگ کا
رقص کرو ، میدانِ جنگ میں
ایک مثالی یونانی کے
رنگ میں آؤ ، کھلیانوں میں
آگ لگاؤ ، خون بہاؤ
ربّ بحر کو پیاس لگی ہے!

(ایک قدیم یونانی نظم سے ماخوذ)

By the Waters of Styx

سپنوں سے خالی آنکھیں تھیں
جذبوں سے عاری چہرے تھے

لکڑی کے گھوڑے ہوتے تو
تھوڑی دیر کو جھولا لیتے
اور پتھر کے بت ہوتے تو
پھول چڑھاتے ، پوجا کرتے

لیکن وہ تو کل کے چرمر
اخباروں سے بنے ہوئے تھے

آنکھیں تھیں صحراؤں جیسی
جانوروں کے پنجوں جیسے
ہاتھ تھے میرے ہاتھ میں جن کی
پوروں سے آنسو بہتے تھے

سپنوں سے خالی آنکھیں تھیں
جذبوں سے عاری چہرے تھے

جراحتِ قلب

بیہوشی کی چادر اوڑھ کے
پڑا ہوا تھا۔۔۔۔۔۔ دھاگا، چمٹی،
قینچی، چھریاں ۔۔۔۔ اور نقابوں
کے پیچھے جو چہرے تھے وہ
عرشِ معلّیٰ سے اُترے تھے!

بوڑھے دل میں اک ننھا سا
بچہ تھا، جو دردِ دل تھا!!

نابینا بستی میں سورج

یہ اندھے ہیں ، ہم اندھے ہیں
اندھی خوشی ہے ، غم اندھے ہیں
اور اندھوں میں کم اندھے ہیں
جنہیں پتا ہے اندھے پن میں
پڑی ہوئی اس قوسِ قزح کا
جس کی کھوج میں تم رسوا ہو

مجھے پتا ہے ، میں اندھا ہوں
تم کو راہ دکھاؤں کیسے!

تین شعر

چھوٹا سا اک زخم لگے تو درد پرانے جاگ اٹھتے ہیں
اک لمحے کی زد پڑتی ہے ، کئی زمانے جاگ اٹھتے ہیں

کبھی کبھی آتی ہے لیکن جب بھی تیری یاد آتی ہے
دل میں کلیاں کھل اٹھتی ہیں ، لب پہ ترانے جاگ اٹھتے ہیں

خواب میں پانا خواب میں کھونا ، خواب میں ہنسنا خواب میں رونا
یوں لگتا ہے جیسے ہم سونے کے بہانے جاگ اٹھتے ہیں

ایک عام آدمی کی موت پر

وہ کامیاب تھا یا
ناکام آدمی تھا
اک عام آدمی تھا

پگڈنڈیوں پہ چلتا
اور غیر کے گلابوں
کو غیر کا سمجھتا

بے برگ و بار شاخوں
کو اپنے آنسوؤں سے
زرتار کرنے آتا

وہ میرے شہر کا اک
گمنام آدمی تھا
اور خواب دیکھتا تھا

تیری غلاظتوں میں
مہتاب دیکھتا تھا
وہ خام آدمی تھا!

تُو پختہ دھات جیسی!
اب تیری کونپلوں سے
شعلے طلوع ہوں گے

اے بدلحاظ دنیا
میں جانتا تھا اس کو
وہ تجھ کو چاہتا تھا

وہ تجھ کو چاہتا تھا
جیسے ہوا کے جھونکے
کو حبس چاہتا ہے!

ایک دیوارِ اَبد

ایک دیوار کے سایے کے تلے
میرا سایہ تیرے سایے سے ملا

میں ، مرا سایہ ، ترا سایہ ، تُو
ایک دیوار کا سایہ ٹھہرے

کوئی سورج ہے تو ہو ، کوئی ستارہ ہے تو ہو

دلیل کیسی

شجر بھی سچا ہے اور پرندہ
گھٹا بھی سچی ہے اور سمندر
دلیل کیسی

دلیل کیسی گلاب میرے
صبا مجھے آنکھ مارتی ہے
تو شاخ تیرے ابد کا جھولا

سراب میں ہیں
جڑیں کسی کی

حباب میں ہے
فلک کسی کا

دو شعر

کوئی آنکھ نہ روتی ، کتنا اچھا ہوتا
ہونی ایسے ہوتی ، کتنا اچھا ہوتا

تیر کمان جلا کر شہزادہ بھی سوتا
شہزادی بھی سوتی ، کتنا اچھا ہوتا

کہاں بہے گا اب یہ دریا

کہاں بہے گا اب یہ دریا
یہیں رہے گا اب یہ دریا

پتا اپنے کھو جانے کی
کس سے کہے گا اب یہ دریا

خود ہی سمندر ہو جانے کا
ستم سہے گا اب یہ دریا

دریا تیری یاد بھی دریا

تُو گزرا تھا میرے پاس سے
یا میں
تھوڑی دیر کو تیرے ساتھ چلا تھا
تیرے ساتھی
موج، بھنور، سیپی،
موتی،
مچھلی،
کشتی، بادل، طوفاں،
ملّاحوں کے گیت،

سمندر،

بستی، جنگل، صحرا،

چاند، ستارے،

سورج، برف، پہاڑ۔۔۔۔۔

دریا،

تُو گزرا تھا میرے پاس سے

یا میں تھوڑی دیر کو تیرے ساتھ چلا تھا

تیرے ساتھی

میرے بھی ساتھی تھے

اور میں چلنا سیکھ رہا تھا

میں جو تجھ میں ڈوب چکا ہوں

تو جواب مجھ میں بہتا ہے!

غزل

کیا ہوتا ہے ، کیا نکل آتا ہے
پتھر سے چشمہ نکل آتا ہے

راہی کو منزل نہیں مل پاتی
رستے سے رستہ نکل آتا ہے

چپکے سے دریا کی انگلی تھامے
بستی میں صحرا نکل آتا ہے

آئینے سے پردہ کیے پردہ دار
گلیوں میں ننگا نکل آتا ہے

بستر میں لیٹے ہوے بھی پیارے
ایڑی پر چھالا نکل آتا ہے

دیواریں مضبوط ہوں تو جاوید
سر میں دروازہ نکل آتا ہے

غزل

پتھر میں پڑا نظر آیا
کافر کو خدا نظر آیا

منزل کا پتا مسافر کو
پانی پہ لکھا نظر آیا

اس رات نظر گنوا آئے
جس رات دِیا نظر آیا

دِل ، سُرخ رگوں میں جکڑا دل
تڑپا تو رہا نظر آیا

نظم

جانے والا
آسمان کا تارا بن جاتا ہے
اور ہم اس سے
روز رات کو مل سکتے ہیں

گونگی تتلی

اُف، تتلی
تُو گا سکتی تو
کب سے کسی پنجرے میں ہوتی!

(ترجمہ: باشو)

دو شعر

اک آرزوئے بوسۂ لبہائے نارسا
یعنی ہوس بھی عشق کا اک باب ہی تو ہے

اک نیند ہی تو ہے یہ اَزل اور یہ اَبد
یہ شہرِ زیست کیا ہے فقط خواب ہی تو ہے

تین شعر

ناؤ نہیں تھا میں پہ بہا لے گئی مجھے
گہرے سمندروں میں ہوا لے گئی مجھے

تجھ کو خبر نہیں ہے مگر مرغِ خوش نوا
کن جنگلوں میں تیری صدا لے گئی مجھے

صبحِ سفر نے پوچھا نہیں مدّعا مرا
چپکے سے آئی اور اُٹھا لے گئی مجھے

غزل

کیا کہیے اب کہاں ہمارے ڈیرے رہتے ہیں
ہاں سورج کے پیچھے بڑے اندھیرے رہتے ہیں

سورج جس کا ہمسایہ ہے ، سچ فرمایا ہے
اُس چوٹی پر بادل بڑے گھنیرے رہتے ہیں

یا رب جُوئے ریگِ روانِ عصر میں بہتے خواب
میرے بھی ہیں ، مگر زیادہ تیرے رہتے ہیں

سنا ہے اب ان گھنے درختوں کے پیچھے جاوید
چند درندے یا پھر چند لٹیرے رہتے ہیں

شعر

اے ریگزارِ قلب تری تشنگی کی خیر
دو ہونٹ تھے سراب ہزاروں خدا بنے

باپ کے نام ایک باغی کا خط

اے فرسودہ معیاروں کے
زنگ آلودہ تلواروں کے
رکھوالے ، میرے چہرے پر
تیرے نقش اُبھر آئے ہیں

میں عمروں کی شاخ سے لٹکا
بہتے وقت کے آئینے میں
اپنا چہرہ ڈھونڈتا ہوں تو
تیرا عکس نظر آتا ہے

وہ جو لَش لَش کرتا باغی
خون تھا میری شریانوں میں
شریانوں کی بھل ڈھوتا ہے

بجھے ہوئے بارود کی ڈھیری
خواہش میری ، میرے جذبے
محوِ خواب ہیں چربی اوڑھے

میں بھی دعا کی بُگّل مارے
آدھی رات کے دروازوں پر
دستک دینے ، سر ٹکرانے
ننگے پاؤں نکل جاتا ہوں

میں بھی تیر چلانا چاہوں
تو اشکوں میں ڈھل جاتا ہوں

آج مجھے لگتا ہے جیسے
اک دن تُو بھی میری مانند
اپنے فولادی کندھوں سے
صدیوں کی میراث جھٹک کر
پاؤں پٹخ کر نکلا تھا پر
لمحوں کی زنجیر نہ ٹوٹی
لوہا موم بنا آنکھوں سے
ٹَپ ٹَپ اب تک گرتا ہے

لمحوں کی زنجیر کا رشتہ
صدیوں کی بیگار کا ورثہ
وقت کی اک اپنی بپتا ہے
ہم سب اس زنجیر کی کڑیاں
ہم سب اس دیوار کی اینٹیں
جسے گرانے کی کوشش میں
اونچا کرتے رہتے ہیں ہم

اس دیوار سے سر ٹکرانے
کل بھی کچھ بچے آئیں گے
جن کو روکنا چاہیں گے ہم
لیکن روک نہیں پائیں گے

اپنا رستہ آپ بناتا
وقت اَمر ہے ، وقت ہے دریا
جس کے بھنور دروازوں جیسے
جس کا سمندر کوئی نہیں ہے

لاعلمی کی طاقت

لاعلمی کی طاقت ہے جو
فولادی دیواریں چاٹتے ہونٹوں کو فولاد بنا دیتی ہے
اکثر دھارے
پتھر پتھر سر ٹکراتے اکثر دھارے
دریا بننے سے پہلے ہی مٹّی بن جاتے ہیں
مٹّی بن جاتے ہیں سمندر
اول اول جو ہر آنکھ میں جھلمل کرتے ہیں۔۔۔ جو
جھلمل کرتے ہیں تو ذرّے سورج بن جاتے ہیں!

ان ذرّوں کو،
فولادی دیواریں چاٹتے ان ہونٹوں کو،
پتھر کاٹتے ان دھاروں کو اگر خبر ہو
دیواروں کے اس جانب بھی چاند نہیں ہیں
کہساروں کے اس جانب بھی ان کے سمندر مٹّی ہیں تو
دیواریں کیسے ٹوٹیں، اور
مٹّی کیسے پھول بنے۔۔۔!

قسم ہے ڈوبتے دن کی

قسم ہے ڈوبتے دن کی
خسارہ ہی خسارہ ہے
ترے جُوڑے کی کلیاں پاؤں کی مٹّی
مرا کالر دھویں کا استعارہ ہے!
تَنی گردن
کسا سینہ
کسی جُھلسی ہوئی ٹہنی کی صورت گھر کو لوٹے ہیں
تو لگتا ہے
کہ ہم نے دن نہیں جیسے ہمیں دن نے گزارا ہے
کہ وہ مطلع ہمارا تھا
نہ یہ مقطع ہمارا ہے
قسم ہے ڈوبتے دن کی
خسارہ ہی خسارہ ہے

شعر

شہرِ شبِ ہراس میں اندھے کو راہ چاہیے
ربِّ سپیدیِ سحر تیری پناہ چاہیے

..... ہزار ہا پیکر ہیں جو جنم جنم کے ہمیں لیے
جو ہیں نگاروں کے حوالے میں بیٹھے ہوئے جنگل کو مڑ کے
دیکھتے ہیں ہمیشہ پورے گھر یلاروں میں مانند دیا .....

جاوید انور کا شمار اُن نئے شاعروں میں ہوتا ہے جن کا زاویہ نظر بہت وسیع ہے۔ اُس نے زندگی کی مختلف پرتوں کو دیکھا بھالا ہے اور اپنے تجربات کو شعری پیکروں میں ڈھالنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ دیس پردیس کے دُکھ سُکھ کو اپنی نظموں میں اس طرح کھپایا ہے کہ اس کی شعری روداد اپنی ہی روداد معلوم ہوتی ہے، چونکا دیتی ہے، مضطرب کرتی ہے اور غور کرنے پر اکساتی ہے۔

جاوید انور کی شاعری میں بیسویں صدی کے آخری اور اکیسویں صدی کے ابتدائی برسوں کے آشوب کی جو تصویر نظر آتی ہے وہ لرزہ طاری کرتی ہے۔ لیکن اُس کے شعری مزاج میں ایک استقامت ہے جو اسے ظالموں، بھیڑیوں اور انتشار سے ٹکر لینے کی ہمت عطا کرتی ہے۔ اس کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے مغربی شاعری کے جوہر کو اپنے میں جذب کیا ہے اور اردو شاعری، بالخصوص مجید امجد، کے بعض پہلوؤں کو خوب سمجھا ہے اس کی نظم ''رات کی حمد'' کو اپنی قوتِ اظہار اور ابل پڑنے والے جوش کی وجہ سے ہمارے نئے دور کی اہم شعری تخلیقات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

قوسین